شفیق انجم

ن م راشد اور میرا جی کا تصورِ مشرق: تقابلی مطالعہ

Noom Meem Rashidand Meeraji are known for their preoccupation with *Nazm* and not ghazal in their poetry. In a new study of these poets the concept of east or rather the orient has been examined. East here is not a geographical entity but a certain way thinking peculiar to this area. Besides Iqbal, perhaps these were the only two 20th century poets who practised Nasm - the long poem and did not indulge in the popular genre of ghazal, the two-liner aphoristic poetic composition.

~~~~~~~~~~~

ن م راشد اور میرا جی جدید اردو شاعری کے دو ایسے نام ہیں جو نہ صرف اپنے عہد پر اثر انداز ہوئے بلکہ آج بھی ان کے اثرات اسی طرح رواں دواں ہیں۔دونوں کا بنیادی حوالہ نظم نگاری ہے۔دونوں کا تعلق سرزمین راوی و چناب سے ہے اور دونوں نے کم وبیش ایک ہی زمانے میں شاعری کا آغاز کیا۔اگرچہ ان کے ہاں بعض مماثلتیں بھی موجود ہیں لیکن کئی ایک پہلو ایسے بھی ہیں جہاں دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظر آتے ہیں۔اس مضمون میں میری یہ کوشش ہوگی کہ دونوں کے ہاں مشرق اور مشرقی تہذیب کے حوالے سے جو صورتحال ملتی ہے اس تک رسائی حاصل کی جائے اور اس پس منظر کا احاطہ کیا
~~~~~~~~~~~

جائے جس کی بدولت اس موضوع نے دونوں شاعروں کے ہاں جگہ پائی اور یہ بھی کہ وہ مشرق اور مشرقی تہذیب کی پورے طور پر نمائندگی میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔

ابھرتے سورج کی سرزمین مشرق محض --- ایک خطے یا جغرافیائی وحدت ہی کا نام نہیں بلکہ زندگی برتنے کے ان خاص زاویوں اور چیزوں کو دیکھنے دکھانے کی ان خاص صورتوں کا نام بھی ہے جو اس جغرافیائی وحدت سے وابستہ ہیں۔ رنگ ونسل، مذہب، زبانوں اور ثقافتوں کی رنگا رنگی کے باوجود مشرق کا ایک ایسا مجموعی رنگ بھی ہے جو اسے مغرب اور جنوب وشمال سے ممتاز کرتا ہے۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا مسکن یہ گوشہ زمین اپنے اندر انسانی تاریخ کی ان گنت یادیں اور عہد بہ عہد نت نئے تجربات لیے ہمیشہ سے ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے،بالکل اسی طرح دنیا کے باقی خطے اپنی اپنی انفرادی شناخت رکھتے ہیں۔اپنی ایک خاص شناخت اور پہچان رکھنا کوئی مسئلہ نہیں لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ شناخت اپنا وجود کھونے لگے۔ سترہویں صدی عیسوی کے بعد سے مشرقی ممالک بالخصوص جنوبی ایشیا کے اس مسئلے نے سر اٹھانا شروع کیا جو انیسویں اور بیسویں صدی تک آتے آتے ایک سنگین شکل اختیار کر گیا یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں اور پھر اس کے بعد بیسویں صدی میں تواتر کے ساتھ اردو شاعروں اور ادیبوں کے ہاں یہ مسئلہ موضوع بنتا ہے۔ اس کی نمایاں ترین صورت ہمیں اقبال کے ہاں ملتی ہے اور ان کے بعد ن م راشد اور میرا جی۔

اقبال کا مشرقی جغرافیہ مالابار کے ساحلوں سے لے کر ہمالہ اور ہمالہ سے نیل وفرات تک پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ آخر تک اس میں دم بدم توسیع ہوتی رہی۔ مشرقی تہذیب وتمدن اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کے تہذیبی وفکری دھارے ان کی آنکھوں کا سرمہ بنے رہے اور ان کے احیاء کو وہ مشرق کی سالمیت اور ترقی کی بنیاد قرار دیتے رہے۔ اقبال کے ہاں یہ تصور ان کے فلسفۂ حیات کا جزو بن کر سامنے آتا ہے۔ ن م راشد اور میرا جی کے ہاں

'مشرق' بطور موضوع اقبال کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا اپنا بھی ایک پس منظر ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

میرا جی اور راشد کے تصور مشرق کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر اس عالمی منظر نامے کو دیکھیں جس کے خدوخال بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی نمایاں ہونا شروع ہوئے اور جس نے زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں مغرب میں سائنسی و صنعتی انقلاب شروع ہوا جس نے وہاں کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ انیسویں صدی میں اس کا پھیلاؤ دنیا کے دیگر خطوں کی طرف ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آگئی۔ بیسویں صدی اس پھیلاؤ کا نقطۂ عروج ہے۔ اس صدی کے نصف اول میں رونما ہونے والے تین اہم واقعات ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۷ء کا انقلاب روس اور ۱۹۳۹ء کی دوسری جنگ عظیم نے نہ صرف مغرب بلکہ مشرق میں بھی صدیوں پرانے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی نظام کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ نت نئی سائنسی ایجادات اور علم نفسیات کے انکشافات نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔ یوں ایک ایسے نئے سماج کی بنیاد پڑی جس کے سامنے بہت سی منزلیں بکھری پڑی تھیں اور ان منزلوں تک پہنچنے کے لیے بے شمار پرپیچ راستے بھی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سطح پر انتشار و کشمکش نے جنم لیا۔ مغرب سے آنے والی تندوتیز ہواؤں نے مشرق کے شیرازے کو پارہ پارہ کردیا۔ خود مغرب میں بھی یہی صورتحال تھی لیکن صدیوں سے ایک ہی ڈگر اور متعینہ راہوں پر چلنے والے مشرق کے لیے یہ توڑ پھوڑ کچھ زیادہ ہی ہلاکت آفریں ثابت ہوئی۔ دو بڑی جنگوں اور اقتصادی و سیاسی بحرانوں نے ہر چیز کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا۔ یہی وہ عہد ہے جس میں ن م راشد اور میرا جی نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔

ن م راشد اور میرا جی کے ہاں مشرق کی تلاش کا عمل شروع کریں تو ہم دیکھتے

ہیں کہ اگرچہ دونوں قریب قریب کھڑے ہیں لیکن ایک کا رخ جنوب مشرق کی طرف اور دوسرے کا جنوب مغرب کی طرف ہے۔ راشد کی شاعری میں جو رموز و علائم الفاظ و اصطلاحات، تلمیحات و استعارات استعمال ہوئے اور جن اشخاص، اماکن اور فضا و ماحول کی تصویر کشی ملتی ہے وہ میرا جی سے بالکل مختلف ہے راشد کے ہاں صحرا، آگ، ریگ، خیمے، رات، اور الاؤ کی علامتیں بکثرت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بغداد، شیراز، سمرقند، بخارا، طہران، قفقاز، سبا، مدائن، حلب کے گلی کوچے اور ان میں دیبا و سنجاف اور لباس حریری میں ملبوس حوریں ہیں۔ مزامیر کے زیر و بم اور چنگ و نفیر کی صدائیں ہیں اور جگہ جگہ اس زندگی اور تہذیب و تمدن کی عکاسی ہے، جو ان علاقوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کے برعکس میرا جی کے ہاں کالے ڈراؤنے جنگل، رات، اندھیرا، پیڑ، ندی نالے، دریا، سمندر، پربت وغیرہ کی علامتیں استعمال ہوئی ہیں۔ وہ گنگا جمنا اور راوی چناب کی باتیں کرتے ہیں۔ پریم، پجاری، مندر، بھگوان، دیویاں اور تول تول کر پاؤں رکھتی پوتر ناچ ناچتی سندرتائیں ہیں۔ رادھا اور کرشن کے رومان پرور قصے ہیں اور مالابار سے ہمالیہ کے درمیان پھیلی ہوئی دھرتی ماتا اور اس کے تہذیبی نقش و نگار ہیں۔ یعنی دونوں کی مشرقیت، جغرافیائی اور تہذیبی سطح پر دو مخالف سمتوں میں چلتی ہے۔ ایک کا رخ عرب، ایران اور وسط ایشیا کی طرف ہے اور دوسرے کا جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کی طرف۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

> ''راشد کا شعری جغرافیہ عربی، عجمی اور وسط ایشیائی ہے ......اس کے مقابلے میں میرا جی کو برندا بن شانتی دیتا ہے''۔ (۱)

اور بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> ''میرا جی اپنے مزاج کی وجہ سے قدیم ہندو تہذیب کی طرف راغب ہوتے چلے گئے جبکہ راشد اپنی مغرب پرستی کے باوجود جدید عجمی روایت کی طرف متوجہ ہوئے''۔ (۲)

ن م راشد اور میرا جی دونوں جدید نظم کے شاعر ہیں، جو پیروی مغرب میں لکھی گئی لیکن دونوں کے ہاں اسے مشرقی روایات کے قریب لانے اور اپنا بنا کر پیش کرنے کی شعوری کوشش ملتی ہے، اگر چہ دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ میرا جی اسے گیت کی روایت سے جوڑ کر اپنا بناتے ہیں اور راشد غزل کے علاقوں کی طرف سفر کرتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک بڑا اور اہم کام تھا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کی مشرق کی طرف مراجعت صرف لفظی واسلوبیاتی سطح پر اور محض اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے ہے یا حقیقتاً ان کے پیش نظر کوئی خاص مقصد تھا اور کیا مشرق اور تہذیب مشرق کے دو مختلف رنگوں کو انہوں نے محض فیشن کے طور پر اپنایا یا کسی خاص مطمح نظر کے تحت وہ اس طرف راغب ہوئے۔ ڈاکٹر رشید امجد اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ان (راشد) کی سامراج دشمنی کو اگر فکر اقبال کا تسلسل سمجھا جائے تو ایشیا کی نفی کر کے وہ عجمی ثقافت کا احیاء ازسرنو چاہتے تھے اور آخر آخر ان کی سامراج دشمنی ایرانی توسیع پسندی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اس کے برعکس میرا جی ہندوستانی تہذیب وفکر کا احیاء کر کے مشرقی بلکہ ہندوستانی مزاج کی بازیافت چاہتے تھے''۔(۳)

یعنی ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دونوں شاعروں کے ہاں مشرق اور مشرقی تہذیب کی طرف مراجعت محض فیشن کے طور پر نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ دورِ حاضر کے سماجی ڈھانچے کو جو مغرب کے ہاتھوں انتشار کا شکار ہے اسے اپنی روایات کے مطابق ازسرنو تعمیر کیا جائے اور اس فکر کا احیاء کیا جائے جو ہماری تہذیبی میراث ہے۔ اس رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم راشد اور میرا جی کی شاعری کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ دونوں کے ہاں ایسا کوئی تعمیری منصوبہ موجود نہیں تھا اور نہ ہی انھیں اپنی روایات سے کوئی دلچسپی تھی۔

بالخصوص راشد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ عجمی ثقافت کا احیاء ازسرنو چاہتے تھے قطعاً درست نہیں، کیونکہ راشد کو اپنے ماضی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ انھیں اپنے ماضی کی کسی روایت سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

"اپنی تاریخ کے ساتھ ان کا کوئی زندہ معنوی رابطہ نہیں کیونکہ ماضی ان کے لیے بیکارِ محض ہے اور حال کے لمحہء موجود کے لیے ماضی کے پاس کوئی زندہ معنوی حل نہیں ہے۔ صحرا ہوں یا شہر یا دریا کسی بھی شے کے لیے راشد کے اندر جذباتی تعلق نہیں"۔(۴)

یعنی راشد عرب و عجم اور وسط ایشیا کے علاقوں اور ان کی تہذیب کی کوئی تعمیری معنویت نہیں دیکھتے۔ یہ محض استعارے ہیں۔ ایسے استعارے جن کی فکری تاب و تب زائل ہو چکی ہے۔ لمحہء موجود سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کی طرف لوٹنا بے کار ہے۔ راشد کی ان استعاروں کی طرف مراجعت تعمیرِ نو کے لیے نہیں بلکہ درسِ عبرت کے لیے ہے۔ وہ ایک ایک کر کے اپنی تہذیبی روایت کے ان استعاروں کو گنواتا ہے لیکن اسے ہر چیز سربزانو، ترش رو، غمگین اور پریشان مُونظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ساتویں منزل سے ایک بے باکانہ جست کا آرزومند نظر آتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں آکر راشد کو فکرِ اقبال کے تسلسل میں دیکھنا محال ہو جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر آفتاب احمد کے خیال میں راشد ہمیں اقبال کی یاد دلاتا ہے اور زیادہ بہتر انداز میں اقبال کی فکر کو آگے بڑھاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مشرق میں مغرب کی چیرہ دستیوں کا احساس، رنگ و نسل کی تفریق کا احساس، جس عنوان اور جس انداز سے راشد کے کلام میں جاری و ساری ہے وہ صاف اقبال کی یاد دلاتا ہے اور راشد کو اپنے ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بلکہ میں یوں کہوں گا کہ اقبال کے ہاں بھی یہ احساس اتنی شدید، اتنی تلخ صورت میں ظاہر نہیں ہوا"۔(۵)

مجھے اقبال اور راشد کا تقابل مقصود نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ راشد کے ہاں اقبال کا فکری تسلسل موجود نہیں۔ لفظی واسلوبیاتی سطح پر تو یہ بات قابلِ قبول ہو سکتی ہے لیکن معنوی سطح پر راشد ایک بالکل مختلف صورت حال کا شاعر ہے۔ راشد کو اقبال کی طرح اپنے اسلامی یا ہند اسلامی کلچر سے کوئی وابستگی نہ تھی۔ اس کے نزدیک اسلامی تہذیب کے بعد کا عرب و عجم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ اس کا ذکر کرتا بھی ہے تو اس میں طنز کی کاٹ صاف نظر آتی ہے البتہ اس قدیم عرب و عجم کی بات ضرور ہے جو فطری آزادیوں کا مسکن تھا۔ آزاد لوگ فطرت سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن اس میں بھی ایک لا حاصلی اور بے معنویت کا کرب نمایاں ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے مطابق:

> ''راشد کی شاعری میں ماضی مستقل طور پر لا حاصلی ، انفعالیت اور بے معنویت کی علامت کے طور پر موجود ہے۔ جہاں جہاں بھی ماضی کا حوالہ نمودار ہوا ہے اس کا تصور انحطاط اور بے معنویت ہی سے وابستہ نظر آتا ہے۔ ماضی کے ساتھ ان کا برتاؤ خاصا بے رحمانہ ہے۔ اس تصور کے ساتھ ہی ان کے اندر برہمی، اضطراب اور اکتاہٹ طاری ہو جاتی ہے''۔(۶)

اور خود راشد لکھتے ہیں:

> زندگی تو اپنے ماضی کے کنویں میں جھانک کر کیا پائے گی؟
> اس پرانے اور زہریلی ہواؤں سے بھرے، سونے کنویں میں
> جھانک کر اس کی خبر کیا لائے گی؟
> ...... اس کی تہہ میں سنگریزوں کے سوا کچھ بھی نہیں
> جز صدا کچھ بھی نہیں! (۷)

راشد عمر بھر جس تہذیب اور جس تہذیبی زندگی کی عکاسی کرتے رہے اور جس کی

بنیاد پر ناقدین ادب نے انھیں عجمی تہذیب کے احیاء کا علمبردار قرار دیا خود راشد ہی کے لفظوں میں اس سارے قصے کی حقیقت پرانے زہریلی ہواؤں سے بھرے سونے کنویں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ رہی یہ بات کی راشد اقبال کی یاد دلاتا ہے تو کہنا یہ ہے کہ یہ یاد ''جہانگیری، جہاں بانی، فقط طرارۂ آہو'' کی صورت میں تو ضرور ہے' مثبت معنوں میں خال ہی ملے گی۔

اب ذرا میراجی کی طرف آتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی میں نے پہلے لکھا ہے کہ انھوں نے جس تہذیبی زندگی کے خدوخال واضح کیے ہیں وہ کسی تعمیری منصوبے کے تحت نہیں اور نہ ہی وہ مشرقی ہندوستانی مزاج کی بازیافت چاہتے تھے' اگرچہ راشد کے برعکس انھیں اپنے ماضی سے لگاؤ تھا اور اس سے وابستہ افسانے ان کے لیے سکون کا باعث تھے لیکن یہ سارا عمل روزنِ دیوار سے آنکھ لگا کر دُور حرکت کرتے ایک سائے کو دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ راشد کی طرح درمیان کی ساری باتوں کا ذکر تو کرتے ہیں۔ مندر، مسجد اور خدا اور بھگوان کے نجوگ کا زمانہ تو ان کی نظروں میں ہے لیکن وہ اس کو کسی قابل نہیں سمجھتے اور بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ وہ جنگل کی تہذیب کے گھنے گرم جادو ہی کو راشد کے صحرا کی طرح اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن وہی لا حاصلی اور انفعالیت ان کو بھی گھیرے ہوئے ہے جو راشد کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> ''جنگل کی طرف میرا جی کی مراجعت دراصل قدیم ہندوستان کی فضا کی طرف مراجعت ہے۔ اسی لیے میرا جی کے ہاں بار بار تاریکی میں سمٹنے کا رجحان ملتا ہے جو نہ صرف جنگل کی تاریکی میں ختم ہونے کا رجحان ہے بلکہ جو ماضی کی تاریکی میں کھوجانے کی آرزو پر بھی دلالت کرتا ہے''۔(۹)

اپنے ماضی میں کھو جانے کی یہی ایک صورت ہے جو میرا جی کو راشد سے ممتاز

کرتی ہے۔ راشد کو اپنی گرم مزاجی کی بدولت یہ کھو جانا پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اپنا ماضی اور اس کا تہذیبی سرمایۂ حال کی الجھنوں کے اظہار کے لیے محض ایک استعارے کا کام دیتا ہے۔ وہ اپنی اس بنیاد کو کھو دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ نئی بنیاد کے لیے ان کے پاس کوئی مواد نہیں۔ میراجی اپنی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہیں لیکن اس سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ راشد اور میراجی دونوں اپنے اپنے انداز میں مشرقی تہذیب سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن یہ وابستگی چونکہ اکتسابی اور محض اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کے لیے تھی اس لیے بڑے مفاہیم پیدا نہ کر سکی۔ اسلوبیاتی سطح پر دونوں اپنے اپنے تہذیبی دھاروں کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں لیکن معنوی سطح پر ایک کھوکھلا پن نظر آتا ہے۔ وہ اس بحر میں غوطہ زن تو ہوئے ہیں لیکن واپسی پر اپنے ہمراہ کچھ بھی نہیں لا سکے۔ دونوں بہت دور تک گئے ہیں لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں کھو جانے والی مشرقی تہذیب کی بازیافت نہ کر سکے۔ وہ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کے اندر تو مغرب اور مغربی تہذیب اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔ اور وہ اس تہذیب کے سحر میں رفتہ رفتہ ڈوبتے چلے گئے۔ ڈاکٹر رشید امجد راشد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> '' راشد صرف مغرب کے ادب ہی سے متاثر نہ تھے بلکہ آہستہ آہستہ مغربی کلچر کا رنگ ان کی ذات وشخصیت پر بھی گہرا ہوتا گیا اور آخر وہ مکمل طور پر مغربی اثر میں آ گئے''۔(۱۰)

اور میراجی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> '' میراجی نے اپنے اردگرد کو جدید اور روایت کے اس ملے جلے نقطۂ نظر سے دیکھا کہ اس میں بیک وقت مغربی اور مشرقی طرز ہائے احساس کی آمیزش ہو گئی''۔(۱۱)

ڈاکٹر صاحب نے میراجی کو جو گنجائش دی ہے وہ اس سے کہیں کم ہونی چاہیے

تھی کیونکہ مشرقی طرزِ احساس اول تو محض کاٹھیا وار اور گنگا جمنا تک ہی محدود نہیں اور اگر ہم ایسا فرض کر بھی لیں تو بھی میرا جی کی شاعری میں اس کا کوئی مثبت پہلو ابھرتا دکھائی نہیں دیتا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرا جی اور ن م راشد کے ہاں پیروی اقبال یا اپنے عہد کی مجموعی صورتحال کے پیشِ نظر مشرق اور مشرقی تہذیب موضوعِ سخن تو بنتا ہے لیکن دونوں اس موضوع کے تقاضوں سے پورے طور پر عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ مشرق ان کے ہاں ایک استعارے کی حیثیت سے تو موجود ہے، لیکن یہ استعارہ محض اسلوبیاتی معاونت کی حد سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اسے کیا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت اتنی واضح ہے کہ اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔

~~~~~~~~~~~

حوالہ جات

۱۔ تبسم کاشمیری ڈاکٹر، لا= راشد، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۵۹

۲۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میرا جی شخصیت اور فن، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۲۷۸

۳۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۲۷۹

۴۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لا = راشد، ص ۱۰

۵۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر، ن م راشد (شاعر اور شخص)، مکتبہ دانیال، کراچی، س ن، ص ۶۵

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لا = راشد، ص ۹۴

۷۔ ن م راشد، زندگی اک پیرہ زن، لا = انسان، الشال، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۲۸

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۹۰۔۳۸۹

۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میرا جی فن اور شخصیت، ص ۲۸۱

۱۰۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۹۵۔۲۹۴
~~~~~~~~~~~

مجلہ	---------	تخلیقی ادب (ISSN # 1814-9030)
اشاعت	---------	سالانہ
شمارہ	---------	چار - جنوری دو ہزار سات
سرورق	---------	عابد سیال
ناشر	---------	نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد۔
پریس	---------	نمل پرنٹنگ پریس، اسلام آباد۔
ای میل شعبہ اردو	---------	numl_urdu@yahoo.com

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(ISSN # 1814-9030)
تخلیقی ادب
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز
اسلام آباد